"میں جاؤں جی —"

"ہاں —" اُنہوں نے ہاتھ آگے کر دیا اور اُن کا ہاتھ جل رہا تھا۔

مشاہد کو اب بھی آٹوگراف جمع کرنے کا خبط تھا۔ اُس کی آٹوگراف بک پر ا
پاکستان، ویسٹ انڈیز اور ایم سی سی کے کھلاڑی تھے۔ مس یونیورس تھی —
مودودی تھے۔ سٹیورٹ گرینجر اور ایوا گارڈنر تو تھے ہی — اور پچھلے دنوں ہارس
کیٹل شو کے موقع پر لاہور پریس کلب کے سامنے اُس نے پرنس علی خان اور وقار
نون کو سپاٹ کر لیا تھا۔ پرنس علی خان سے اُس نے نہ صرف اپنی آٹوگراف بک پر د
لیے بلکہ اُن کے آگے ریٹا ہیورتھ کی ایک تصویر بھی کر دی۔ "اس پر بھی سر —"
پرنس نے اپنی ایکٹرس بیوی کی تصویر دیکھی اور اِس انداز میں دیکھی کہ وہ فلم "سلو
میں آخری رقص کر رہی ہے تو پرنس کو یہ نیم برہنہ تصویر بالکل پسند نہ آئی اور اُنہوں
مشاہد کو ایک قہر آلود نظر سے نوازا اور آگے بڑھ گئے۔

کیا منٹو صاحب اتنے اہم ہیں کہ پرنس علی خان اور ایوا گارڈنر کے ساتھ اُن
آٹوگراف بھی لیے جائیں۔

اُس نے جیب میں سے آٹوگراف بک نکالی اور جھجکتے ہوئے اُن کے آگے کر

"آٹوگراف پلیز —"

منٹو صاحب چونک گئے۔ پریشان سے ہو گئے "میرے آٹوگراف —" پھر اُ
نے اپنا چشمہ درست کیا اور تنے پر پاؤں رکھ کر آٹوگراف بک کو گھٹنے پر بیلنس کیا او
لکھ کر دستخط کر دیئے۔

"شکریہ جی —" مشاہد نے آٹوگراف بک جیب میں ٹھونسی اور کٹورہ اُٹھا کر
لگا۔

"بھائی جان اُنگلی —" مردان نے شور مچا دیا۔ مشاہد نے اُنگلی آگے کر دی
مردان اُسے تھام کر پُر امن ہو گیا۔

"اور مشاہد ایک بات سنو —"

"جی —" وہ رُک گیا۔

"ادھر میرے پاس آؤ —"

وہ اُن کے پاس چلا گیا۔

"میں نے وہ خط... وہی خط.. اُسی روز پھاڑ کر پھینک دیا تھا — فکر نہ کرنا" اور یہ کہتے ہوئے اُن کی آنکھیں چشمے کے پیچھے شرارت سے چمکیں — مشاہد کے سینے پر سے یک بوجھ سا اُتر گیا. کتنے برس پہلے منٹو صاحب نے اُس پیسٹری کھلائی تھی — وقت کیسے ئذرتا ہے — آہٹ بھی نہیں ہوتی۔ آپ وہیں کھڑے رہتے ہیں اور وہ گذر جاتا ہے۔ شاید آپ گذر جاتے ہو... اور وہ کھڑا رہتا ہے۔

"اب میں جاؤں جی —"

"ہاں — تم جاؤ" وہ پھر کھانس رہے تھے۔

دونوں بھائی منہ موڑ کر چلنے لگے۔

انصاری ہوٹل کے قریب پہنچ کر اُس نے پیچھے دیکھا — منٹو صاحب نظروں سے جھل ہو چکے تھے۔ وہ رہ نہ سکا۔ آٹوگراف مبک جیب سے نکال کر وہ اُس کے ورق پلٹتا یا — پھر رُک گیا..

"جب حُسن تھا تو آئینے نہیں تھے
اب آئینے ہیں پر حُسن کہاں —"
سعادت حَسن منٹو

لکشمی مینشن کے سہ منزلہ فلیٹوں کی لمبی مستطیل چھت پر مشاہد کی کھُلی آنکھوں د آسمان تھا —

لاہور کا آسمان —

روم کا آسمان —

'عشقے دا اک پلنگ نواڑی۔ وے اَساں چانیاں وِچ ڈاہیا....

"مُردے کی طرف دھیان دیں خواتین و حضرات —"

"نہیں — مُردے انتظار کر سکتے ہیں، زندہ نہیں —" ستار نقوی ایک با
سی ہنسی ہنسا "زندوں کی طرف دھیان دیں خواتین و حضرات —"

"چلئے زندوں کی طرف دھیان کر لیتے ہیں — کیا تکلیف ہے زندوں کو؟"
احمد لاش پر جھکا رہا، سر نہیں اُٹھایا، وہیں سے بولا۔

"زندوں کو تو ہی تکلیفیں ہوتی ہیں جانِ من۔ مُردے تو خاک کی چادر اوڑ
مزے کرتے ہیں —" دانش نے بھی ایک بیان جاری کرنا مناسب سمجھا۔

صباحت بیگم کی ناک اگرچہ اب تک ڈی کمپوز ہوتے مُردوں اور فارملین کی
عادی ہو چکی تھی لیکن پھر بھی اُس نے اِس ناک کو قدرے چڑھایا "ارے دانش مزے
کر رہے ہو ایمان سے.. اتنا اچھا بازو ہے تمہارے پاس، بالکل اصلی حالت میں۔ میرے
میں جو معدہ آیا ہے تو بالکل برباد شدہ کیفیت میں۔ کچھ پتہ نہیں چلتا سسٹم کا... کمبخت
چاقو بھی کھانا تھا تو میرے والے حصّے میں —"

"یارا آپ ذرا خاموشی سے ڈائی سیکشن نہیں کر سکتے —" رحمان گل نے
مائنڈ کرتے ہوئے تیوری چڑھائی "ادھر میں چیرا لگاتا ہوں تو تم لوگ شور کرتے ہو او
ٹھیک سے نہیں لگتا — پروفیسر مشتاق نے دیکھ لیا تو ایمان سے کان پکڑوا دے گا۔
اوئے رحمان گل یہ تو مُردہ تھا اس لیے ایسے کٹ پر چپ رہا۔ مریض کو لگائے گا تو وہ
سے اُٹھ کر جھانپڑ لگا دے گا — یارا شور مور نہ کرو۔"

"واہ —" صباحت زبان سے پناخہ سا بجا کر بولی۔

رحمان گل نے اُسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور مسلسل دیکھا "کیا دا
"پروفیسر مشتاق مریض کو کیسا زبردست چیرتے ہیں —" وہ جھومتی ہوئی بولی
کسی شعر پر سر دُھنتی ہو" ایسی لائن لگاتے ہیں — یوں، جیسے نُقطے پُرکار کے ساتھ

فیثاغورث حل کر رہے ہوں — آرٹسٹ آدمی ہے بھئی، مائیکل اینجلو کی طرح سڑوک لگتا ہے — واہ" اُس نے پھر پٹاخہ بجایا اور اُسی طرح جھومتی ہوئی اپنے معدے پر جھک گئی۔

"یہ مائیکل اینجلو کا نام کس نے لیا ہے؟" اظہار اعوان نے سر اُٹھا کر تمام طالب علموں کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھا۔

"میں نے لیا ہے —" صباحت نے سینے پر دھپ لگاتے ہوئے کہا "اظہار اعوان اگر تم فتح جنگ جیسے پسماندہ علاقے سے آکر مائیکل اینجلو کا نام لے سکتے ہو تو ہم بھی لے سکتے ہیں۔"

"میں کم از کم فتح جنگ سے تو آیا ہوں۔ تم تو کہیں سے بھی نہیں آئے —"

سب کے سانس رُک گئے۔ وہ دم سادھے صباحت یا ستار نقوی کے ردِ عمل کے انتظار میں رہے لیکن اُدھر سے جواب نہ آیا۔

کچھ دیر بعد دانش نے ایک طرف کھڑے لچکیلے بدن کے کمند علی خان کو پکارا — "تم کیوں نہیں آ رہے؟"

"میرے لیے کچھ باقی ہی نہیں بچا — پورے مُردے کے حصے بخرے ہو چکے ہیں... اس لیے میں اگلے مُردے کا انتظار کر رہا ہوں اور میں اُسے ڈائی سیکشن ہال میں داخل ہوتے ہی دبوچ لوں گا وہ پورے کا پورا میرا ہو گا میں ابھی سے انتباہ کر رہا ہوں..."

نور الہدیٰ پہلی بار بولی "کراچی میں بجلی اور پانی کی کمی ہو سکتی ہے — مُردوں کی نہیں، ابھی آتا ہو گا۔"

"ویسے یارا یہ جو مائیکل اینجلو تھا تو یہ تو ہم نے بھی پڑھا تھا کہ بچپن میں کچن کا چھری مُری لے کر رات کو ایک گرجے میں جاتا تھا اور ادھر جو فقیروں کا لاوارث لاشیں پڑا ہوتا تھا اُن کا چیر پھاڑ کرتا تھا — ایسے اُس نے اناٹمی سیکھا اور پھر بُت مُت بنایا —"

"رحمان گل ذرا دیکھو ہم کیسے خوش نصیب لوگ ہیں — اُس غریب کو فقیروں کی لاشیں ملتی تھیں جب کہ ہم — ہمارے پاس کیا شاندار ورائٹی ہے — ہر قسم کے لسانی، نسلی اور مذہبی مُردے وافر تعداد میں ہمہ وقت دستیاب ہوتے رہتے ہیں —"

"ویسے یہ — کون تھا؟" فارملین میں Soak کی ہوئی سنگِ مرمر کی میز پر پڑی لاش کی جانب دیکھے بغیر شوبھا نے پوچھا۔

سب اپنے اپنے فریم میں سٹل ہو گئے کہ شوبھا نے یہ کیا سوال پوچھا ہے ۔
"اگر عوام الناس میرے تجزیے کو اپنی اپنی ذات پر منطبق نہ کریں تو
عرض کروں — " کمند علی لچکتا ہوا بولا "اگر تو یہ حضرت جو اس وقت کٹی پھٹی حال
ٹیبل پر اکڑے پڑے ہیں ہونٹ لال لال رکھتے ہیں اور اپنی پچکاری سے مخاطب کا چ
کیا کرتے تھے اور حلق ایسا رکھتے ہیں کہ "ق" پھنس پھنس کر نکلتا تھا تو واضح طور
ہیں جنہیں عرف عام میں تلیر بھی کہا جاتا ہے — یعنی میرے بھائی بند ہیں — "
"میرے بھی — " ستار نقوی نے بچوں کی طرح ہاتھ کھڑا کر کے شور مچایا۔
"میرے بھی تو ہیں — " صباحت مسکرانے لگی "لیکن یہ طے نہیں پایا کہ
مادہ کو کیا کہتے ہیں کیونکہ میں تو وہ ہوں — "
"جی تو آپ اپنا تجزیہ جاری رکھئے — " دانش بے حد محظوظ ہو رہا تھا۔
"اور اگر موصوف کے منہ سے نسوار کی لپٹیں آ رہی ہیں اور ان کے
ہوئے کپڑوں کے قریب سے گذرتا ہوا کوئی لال بیگ دس سیکنڈ میں اوندھا ہو کر
چلانی شروع کر دے تو....."
"آئی پروٹسٹ — " رحمان گل سر ہلاتا ہوا ہنسنے لگا "یارا مجھ سے قسم
آج تک نسوار کھایا ہو — "
"اور مجھ سے قسم لے لو اگر میں نے آج تک پان کھایا ہو — " کمند
بولا۔
"باقی، ذاتی سیکشن میں کروں گا — " رحمان گل نے لاش کو ایک مرتبہ
سے دیکھا۔
"یارا اگر یہ ہر وقت سوتا موتا ہے اور نشہ کرتا ہے تو یہ سندھی مانو ہے
نور الہدیٰ پروٹسٹ کرنے کا ضرورت نہیں ہے — "
"کیوں ضرورت نہیں — ہمیشہ Unkindest Cut سندھیوں کو لگتا
اتنے سست نہیں ہیں — "
"ایسے مشغل مغل ہو رہا ہے نور — "
"ہمارے لیے کیا حکم ہے، ہم باقی رہ گئے ہیں جنابِ عالی — " داؤد احمد
کر پوچھا۔

"ہاں تم اور اظہار اعوان باقی رہ گئے ہو —" اظہار نے ایک مرتبہ پھر خشمگیں نگاہوں سے سب کو دیکھا اور بطور خاص رحمان گل کو دیکھا لیکن وہ جاری رہا "بھئی ان جناب کے منہ سے اگر لسی کی بُو آئے۔ کپڑوں کو گوبر لگا ہو اور ذرا ڈھگے ہوں تو کیا ہوں گے — ادھر کراچی میں نعرہ لگتا ہے ناں پاکستان سے کیا پایا۔ چوپایا، چوپایا... تو بس یہ پنجاب کا بات ہے یارا —"

"نور الہدیٰ —" اظہار نے عینک اُتار کر اوور آل میں رکھی اور اُس کے قریب آ گیا "کیا خیال ہے Unkindest Cut کے بارے میں — یہ سندھیوں کو نہیں ہمیشہ پنجابیوں کو لگتا ہے..."

"جیسا کہ رحمان گل نے کہا تھا، شُغل مُغل ہو رہا ہے یارا —"

"شُغل مُغل نہ ہو رہا ہوتا تو مجھے کوئی تِلیر کہہ کر دکھاتا میں اُس کا ٹینٹوا نہ دبا دیتا۔" ستار نقوی جانتا تھا کہ اظہار کے دل کو ہر بات لگ جاتی ہے۔ وہ ہلکی پھلکی گفتگو نہ کر سکتا تھا اور نہ سن سکتا تھا... "اظہار بھائی میں نے تو آج تک تلیر دیکھا بھی نہیں کہ کیسا ہوتا ہے اور پھر بھی میں ہوں — آپ جو کچھ ہو آپ نے دیکھا تو ہے ناں؟"

اظہار مسکرانے لگا "لیکن یار مجھے بُرا لگتا ہے —"

"ذرا سب لوگ ادھر پلٹ پڑیں — بُرا تو مجھے لگتا ہے —" شوبھا مسلسل بائیں سے بائیں جھُولنے کے انداز میں سر ہلا رہی تھی "سب کی شناخت ہو گئی لیکن میں یہاں ہوں.. شوبھا مردان کون ہے اور کہاں ہے —"

دانش نے اپنے گھنے گھنگھریالے مکرانی بالوں میں اُنگلیوں سے کنگھی کرنے کی کوشش کی.. اُس کی آواز میں کم پانی والے کنویں کی گونج سی تھی اور ابھی وہ ڈائی سکیشنگ ٹیبل کے قریب کھڑا تھا لیکن جب وہ چلتا تھا تو اُس کا پاؤں قدرے گھسٹتا تھا "اور... د...د... دانش کہاں ہے؟ یہ... یہ.. کہاں کا رہنے والا ہے... اسے بھی تو کچھ کہو... تلیر کہو۔ ڈھگا کہو... اس کی شناخت بھی تو ہونی چاہئے —"

"چلئے ہم آپ کو اونٹ بھائی جان کا خطاب دیئے دیتے ہیں..." کمند علی خاں شگفتگی سے بولا "بلوچ بھائی اب تو آپ خوش ہیں؟"

"اونٹ بھائی جان کے لیے Kindest Cut of them all..." اظہار نے صرف اپنے آپ سے کہا۔

شوبھا اب بھی کسی ملنگ کی طرح جھومنے کے انداز میں دائیں سے بائیں م
چلی جا رہی تھی "میں نے گذارش کی تھی کہ سب لوگ میری جانب ذرا پلٹ پڑیں
کا فیصلہ ہو گیا لیکن میں منتظر ہوں —"

"تم جانتی ہو کہ تمہارے بارے میں کیا فیصلہ ہو چکا ہے لیکن تم اسے بار
چاہتی ہو..." اظہار کی آواز صرف شوبھا سنتی تھی "تم ہم میں سے نہیں ہو۔"

"میں شوبھا مردان ہوں —"

"جو بھی ہو — ہم میں سے نہیں ہو۔"

شوبھا کی آنکھیں بھرنے لگیں۔

"شغل مغل ہو رہا ہے شوبھا —" رحمان گل ایک بزرگ کی تھپکتی ہوئی
آواز میں کہنے لگا "اس ملک میں ہر طرف شغل مغل ہو رہا ہے —"

"مردے کی طرف دھیان دیں خواتین و حضرات —" داؤد احمد نے پھر
سے اعلان کیا۔ "اور ڈائی سیکشن سے فارغ ہو کر فارملین میں ڈبویا ہوا کپڑا مردے کے
زخم پر ضرور رکھ دیجئے گا جو آپ کے ڈائی سیکشن چاقو کی وجہ سے ظہور پذیر ہوا ہے
پلیز — ورنہ مردہ مزید اکڑ جائے گا.... اور اللہ تعالیٰ کو تکبر پسند نہیں۔"

"بابا —"

اُس نے اتنی آہستگی سے کہا کہ دری پر گچُھا مُچھا ہو کر ایک بچے کی طرح سویا ہوا مردان اگر جاگ رہا ہوتا اور اُس کی طرف دیکھ رہا ہوتا تو بھی سُن نہ پاتا — اُس کے سرہانے اُس کا چھوٹا سا رُک سیک پڑا تھا اور برابر میں سیاہ ربڑ کے موٹے تلے والے سفری ٹ تھے جنہیں ایک دوسرے کے ساتھ تسموں سے باندھ کر رکھا گیا تھا۔ بوٹوں پر دُھول ھی اور اُن میں اُڑسی ہوئی جرابوں میں سے مردان کے پسینے کی بو آتی تھی۔

"بابا۔" وہ اُس کے پاس بیٹھ گئی اور اُس نے جھک کر اُس کے کان میں کہا — اور ہ جیسے اسی آواز کا منتظر تھا۔ اُس نے صرف ایک آنکھ کھولی اور مسکرا دیا — "ہیلو شوبھا" ر اپنے دونوں بازو اُس کی جانب پھیلا دیے۔ شوبھا اپنا منہ اُس کے کان سے ماتھے تک لے آئی اور اُسے چُوما، سفر کی دُھول اور تھکاوٹ اُس کے ہونٹوں میں اُتری اور وہ بھیگتی نکھوں کے ساتھ مسکرائی... صرف ابر اور ہوا کیا چیز ہے نہیں بلکہ انسان اور رگوں میں دوڑتے ہوئے لہو کے آپ قائل ہیں یا نہیں لیکن یہ کیا ہے.. یہ... یہ جو اس انسان کے ن میں بنانے والے نے کیا کیا گوشے بنائے ہیں جو کسی شکل کو دیکھ کر نرم ہوتے ہیں، ھتے ہیں اور یہ احساس جب بدن میں چل رہا ہوتا ہے تو وہ کیفیت کیسے کسی بیان میں آ تی ہے۔ شوبھا کے لیے مردان صرف ایک باپ نہ تھا ایک باغ بہاراں تھا جس میں سدا ل بولتی تھی اور وہ سدا اس میں رہتی تھی۔

اُس نے دیر تک اپنے ماتھے پر شوبھا کے ہونٹوں کی نمی کی خوش نصیبی کو محسوس یا اور پھر اُٹھا اور اُس کے سامنے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا "مجھے دیکھ کر تم تو حیران پریشان ر جنگل بیابان... ہیں شوبھا" اُس نے اُسے بازوؤں سے پکڑ کر گہری اُلفت سے جھنجھوڑا اور ہنسنے لگی۔ اور اُس کی ہنسی کمرے سے نکل کر دور تک گئی اور اگر یہ سات کمروں والی ٹھی ہوتی تو اُس کی آواز سے شیشم اور جامن میں بیٹھے پرندے دم بھر کے لیے ٹھٹکتے۔

ہاں یہ ہے کہ کہیں نہ کہیں ایک مشابہت تھی — مشاہد کی اُس ہنسی میں... جب وہ کو دیکھتا تھا اور اِس ہنسی میں — جب شوبھا اُسے دیکھتی تھی — کیا ایک ہی مُحبّت میں گرفتار ایک نوجوان لڑکی اور ایک مڈل ایجڈ شخص کی آواز مسّرت کے لحو ایک جیسی ہو جاتی ہے —

"ہاں بابا! میں تو حیران پریشان — میں اور بیٹ مین بشیر آج صبح باہر سیڑھ دیر تک بیٹھے رہے آپ کا انتظار کرتے رہے۔ پھر مجھے کالج سے دیر ہو رہی تھی ا چلی گئی۔"

"پتہ ہے مجھے دیر کیوں ہوئی؟" مردان کے چہرے پر کہیں بھی اب نیند یا تھ کا شائبہ تک نہ تھا۔ اُس نے رُک سیک کا سٹریپ کھولا اور اُسے دری پر اُلٹا دیا... جیسے میلے سے چھوٹی چھوٹی دل کو لبھانے والی چیزیں لاتے ہیں ایسی بہت ساری چیزیں دری گئیں... "یہ سب تمہارے لیے ہے —" سوہن حلوے کے پیکٹ، لکڑی کی مدھانی، گھگو گھوڑے، افغانی زیور اور رنگین دھاگوں والے لمبے لمبے پراندے۔

"یہ کہاں سے لائے ہیں؟" شوبھا نے ان چیزوں کی طرف دیکھے بغیر پوچھا کیو صرف مردان کے چہرے پر برستی خوشی کو دیکھ رہی تھی۔

"پتہ ہے مجھے دیر کیوں ہوئی؟ اس کی وجہ سے —" اُس نے اس ڈھیر ایک نہایت نفاست والے کام کا کُھسہ اُٹھایا... اس کی صناعی پر حیرت ہوتی تھی او پاؤں میں پہننے کو جی نہیں چاہتا تھا "خانیوال میں کراس تھا۔ ٹرین دیر تک رُکی رہی اُس وقت جب ٹرین حرکت میں آئی اور میں یونہی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا تو میں دیکھا؟.. ایک سٹال پر بہت سارے کُھسّے سجے ہوئے اور میں نے سوچا میں بھی کتنا ہوں پورا ایک گھنٹہ پلیٹ فارم پر چہل قدمی کرتا رہا اور یہ سٹال مجھے نظر ہی نہیں آ اور میرے ذہن میں ایک تصویر آئی کہ تمہارے پاؤں میں یہ خوش رنگ کُھسّہ ہے چلتی نہیں ہو کہ یہ خراب نہ ہو جائے — بس میں ٹرین سے اُتر گیا —"

"چلتی ٹرین سے —؟" شوبھا کی آنکھیں ذرا سے سیاہ ہو گئیں۔

"ہاں — چلتی ٹرین سے۔"

"بابا آپ کیوں اپنا خیال نہیں رکھتے۔ کیوں اس قسم کی حماقتیں کرتے شوبھا غصے میں آ گئی "آپ کا ایک پاؤں بھی — اگر اُترتے ہوئے کچھ ہو جاتا تو.."

"کچھ نہیں ہوا ـــ" مردان نے خوش ہو کر کہا لیکن خوشی کے اظہار میں ایک ہلکا
سا خوف بھی تھا۔ "بس میں نے یہ کھسہ خریدا اور پھر اگلی ٹرین کا انتظار کیا ـــ جو سات
گھنٹے بعد آئی ـــ بھئی ناراضگی ختم، ہیں شوبھا ـــ نہیں تو میں حیران پریشان ـــ" اُس
نے جیسے منت کی اور شوبھا فوراً موم ہو گئی اور پھر ہنسنے لگی ـــ ہاں مسرت کے لمحوں میں
ایک ہی شخص کی محبت میں گرفتار ایک نوجوان لڑکی اور ایک مڈل ایجڈ شخص کی آواز ایک
سی ہو جاتی ہے۔

"واہ جی واہ ـــ" یکدم مردان نے اپنی تیکھی ناک سے ہوا کو اِدھر اُدھر شوبھا کے
قریب ہو کر سونگھا "بھئی کیسی زبردست خوشبو لگا رکھی ہے ـــ واہ جی واہ۔"

"آئی ایم سوری بابا ـــ" شوبھا خواہ مخواہ شرمندہ ہونے لگی "آج پھر ڈائی سیکشن
پیریڈ تھا۔ فارملین کی بُو ہے جس سے لاش کو Soak کرتے ہیں.."

"بوچڑ برادری کا کیا حال ہے؟"

"بچرز آر اِن بیسٹ آف سپرٹس... اظہار، رحمان، نور الہدیٰ، دانش، کمند علی،
وُڈ، آل دے بچرز ـــ"

بچرز آل آف دیم ـــ بچرز ـــ ہُو واز دے بچر آف ایسٹ.... پاکستان ـــ
؟

"بابا ـــ آپ ٹھیک تو ہیں؟"

مردان کی بڑبڑاہٹ میں صرف "ہاں" کا لفظ سنائی دیا۔

"بابا۔ چاچا مشاہد کیسے ہیں؟"

"مشاہد ـــ" مردان واپس آ گیا "ہاں... اُس کا خیال ہے کہ چار مرغابیوں کا خوشی
سے کوئی تعلق نہیں ـــ"

"یہ چاچا مشاہد کا خیال ہے؟"

"اِن ڈیڈ ـــ"

"اور اُن کا خیال ہے کہ چار مرغابیوں کا خوشی سے کوئی تعلق نہیں ـــ"

"بالکل ـــ ایک شیولر اور تین نیل سر۔"

"کیا تین مرغابیوں کا خوشی سے کوئی تعلق ہے؟"

مردان گردن کھجاتے ہوئے مسکرایا ـــ "پتہ نہیں ـــ لیکن ایک شوبھا کا خوشی

سے بہت گہرا تعلق ہے۔"

"اور چاچی برگیتا؟"

"اِس بار وہ مجھے تھوڑی سی ناخوش محسوس ہوئیں — اُن کی بے دھڑک اور یک لخت اظہار کی باگیں کھنچی کھنچی سی لگتی تھیں۔ مشاہد بھائی جان بہت چ قسم کے دن گذارتے ہیں۔ زیادہ میل ملاپ بھی نہیں — مشاہد ڈاکٹر ارشد کی ش رہے تھے — شکار — کوئی ایک آدھ ٹی وی پلے، سات کمروں والی کوٹھی برگیتا... اور برگیتا تمہارا بہت پوچھتی تھیں.. اگلی بار اگر تم میرے ساتھ نہ ہوئیں سے بات بھی نہیں کریں گی —"

"گڈ فار یُو —"

"اور... ڈاکٹر ارشد کی شادی ہو رہی ہے بالآخر..."

"گڈ فار ہم —"

اُس کے ہڈ پیر ابھی تک مضبوط دکھائی دیتے تھے لیکن اُس کا گوشت ڈھلا اور کانوں کے اوپر ایک سفید جھالر کے سوا سر پہ صفائی تھی اور وہ کافی دیر سے ٹرے دروازے میں کھڑا تھا اُس لمحے کے انتظار میں جب باپ بیٹی کے مکالمے میں خاموشی کا آئے اور وہ کہے — کپتان صاحب میں اندر آ جاؤں — اور فوری طو سے جواب آنا تھا کہ بیٹ مین بشیر میں اب کپتان نہیں ہوں... تم میرا نام بلایا کرو بیٹ مین بشیر نے ٹرے رکھ کر بے حد فخر سے اُسے سلیوٹ کرتے ہوئے کہنا تھ کپتان صاحب۔

اور یہی کچھ ہوا۔

"میں جناب خاص طور پر اپنی بیٹی کے لیے کامونکی منڈی گیا اور وہاں گ کے پھاوا ہو گیا، باسمتی کی ہر قسم دستیاب تھی، لیکن چاولوں کا موٹا ٹوٹا کسی کے پا — اور پھر... ایک آڑھتی کے پاس ایک تھیلا نکل آیا۔" نہایت فاتحانہ انداز میں نے ہاتھ ہلاتے ہوئے اعلان کیا۔

ٹرے میں موٹے چاولوں کا ایک ملغوبہ سا تھا اور سالن کے ڈونگے میں شو مچھلی کی نمکین مہک تھی۔

شوبھا بے دلی سے کھانے لگی۔ مردان کو جیسے زندگی میں پہلی بار کوئی نعم

ہوئی ہو۔

"کچھ بنگال کا ٹچ آیا بی بی جی؟" بیٹ مین بشیر اپنے پکوان کی داد کے لیے منتظر چہرہ لیے اُسے دیکھ رہا تھا "ادھر مچھلی کی وہ قسم نہیں ملتی جو ہمارے جیسور میں ملتی تھی.. اس لیے شوربہ گاڑھا نہیں ہوتا.. ٹھیک ہے بی بی؟"

"ہاں —" اور اُسی لمحے شوبھا کی ناک درد سے پچکی کیونکہ اُس کی پوروں میں کہیں ایک کانٹے کی چبھن داخل ہوئی۔

کھانے سے فارغ ہوتے ہی شوبھا نے بشیر کو باہر جانے کے لیے کہا اور پھر ایک درد کی شدت پر قابو پا لینے والے مریض کی طرح مردان کو دیکھنے لگی۔ کچھ کہے بغیر.. دیکھنے لگی اور مردان نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر دیئے "تم درست کہتی ہو لیکن.... مجھ سے رہا نہیں جاتا... آئی کانٹ ہیلپ اِٹ... بس میرا دِل رکھ لیا کرو۔"

"آپ مجھے وہ کچھ بنا رہے ہیں جو میں نہیں ہوں —"

"میں نے کہا تو ہے کہ تم درست کہتی ہو لیکن..."

"پہلے میں آپ کی خوشی کا خیال رکھتی تھی.. میں سوچتی تھی کہ اگر میں مچھلی بھات اُبکائیاں لیتے ہوئے نگل لوں تو میرے بابا کا چہرہ چمکے گا اُن کے گالوں میں سرخی اُترے گی۔ اب ساڑھی کا رواج نہیں ہے اور آپ Insist کریں گے کہ میں وہی پرانے ڈیزائنز اشوخ رنگوں کی اکڑی ہوئی ٹشو کی ساڑھیاں پہنوں اور اپنے دوست بچرز کو اپنے آپ ایک عجیب انداز میں مسکراتے دیکھوں... بابا آپ کو کتنا شوق ہے کہ میں بنگالی بولوں... اپنے شوق اور روتیوں کی بھینٹ نہ چڑھائیں... پلیز بابا۔" مردان زبردستی مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ اُسے کوئی رنج نہیں ہوا اور وہ بالکل ایک ہلکے اور بے پرواہ انداز سے اُس کی باتیں سن رہا ہے اور جونہی اُس کی مسکراہٹ بجھنے لگی جانے اُس کے گالوں پر ایک پُرشور بوسہ دیا اور پھر کہنے لگی "پلیز بابا..."

"بابا ویری مچ پلیزڈ —" مردان کی آواز میں ابھی دُکھ تھا... کہیں کہیں۔

"لیکن یہ تمہارا حق ہے شوبھا...."

"نہیں۔ آپ کا ماضی مجھے یہ حق دے کر سُرخرو ہونا چاہتا ہے.. بوجھ کم کرنا چاہتا لیکن یہ میرا حق نہیں ہے — میرا حق اس ملک پر ہے اور وہ آپ مجھے دے نہیں ہے۔ آپ کے رویئے کی وجہ سے میرے بچرز مجھے کہتے ہیں کہ تم ہم میں سے نہیں

ہو... کیوں نہیں ہوں جی — صرف اس لیے کہ آپ بات بے بات پر مجھے بنگالی کرتے رہتے ہیں.... اگر آپ ایسا نہ کرتے تو... میں بھی اتنی ہی پاکستانی تھی جتنی صبا نورالہدی اور اب میں ایک عجوبہ ہوں.. پلیز بابا..."

"بوجھ تو میں کم کرنا چاہتا ہوں شوبھا پیارے... لیکن کم ہو گا نہیں.. کیونکہ مرغابیوں کا خوشی سے کوئی تعلق نہیں —" اور یہ کہہ کر وہ خود بھی ہنسنے لگا اور اس ہنسی میں شوبھا کے سفید نکور دانتوں کی کھنکھناہٹ بھی شامل ہو گئی۔

"یہ کس قسم کی سینس آف ہیومر ہے بابا — ایمان سے آپ ایک عجیب و اور وہ کیا کہتے ہیں کہ محیرالعقول قسم کی فیملی سے تعلق رکھتے ہیں — چار مرغابیاں ا — کیا آپ کی پوری فیملی ماشاءاللہ سے میٹر ہے — یعنی گھومی ہوئی ہے؟"

"نہیں صرف ہم دونوں — باجیاں تو بہت نارمل اور بہت پھونک پھونک کر رکھنے والی چیزیں ہیں۔ بظاہر تو وہ ازحد پریشان رہتی ہیں کہ مشاہد کی کوئی اولاد نہیں چوہدری اللہ داد کی نسل سات کمروں والی کوٹھی میں ہی ختم ہو جائے گی لیکن.... ا اندر اُن کی آس اُمید یہی ہے کہ بھائی جان یونہی تنہا تنہا رخصت ہو جائیں اور پھر وہ سے آنکھیں پونچھتی ہوئی آئیں اور سات کمروں والی کوٹھی پر قابض ہو جائیں —"

"اور آپ —"

"مجھے دلچسپی نہیں۔ نہ سات کمروں والی کوٹھی سے اور نہ گاؤں والی زمین ہاں کبھی کبھی ایک منظر میری آنکھوں کے سامنے پینٹ ہوتا چلا جاتا ہے اور اُس میں کے دو بہت بلند درخت ہیں اور اُن کے پتے ہوا کے زور سے تالیاں بجاتے ہیں ہیں اور مجھ پر گرتے ہیں اور میں ایک بان کی چارپائی پر اُن کے سائے میں لیٹا ہوا ایک کچا کوٹھا ہے، ایک ہینڈ پمپ ہے.... اُس کے پانی کی دھار موٹی اور ٹھنڈی ٹھار سردیوں میں اُس سے بھاپ نکلتی ہے اور سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے بدن پر سویرے پڑتی ہے تو اُسے آسودگی دیتی ہے — لیکن کبھی کبھی.."

"آپ مرغیاں بھول گئے ہیں بابا —"

"ہاں —" مردان نے سر ہلایا اور شوبھا کی آنکھوں میں دیکھا اور وہی منظر پینٹ ہو رہا تھا "ہاں — مرغیاں بھی ہوں گی۔"

"تو آپ کو دلچسپی ہے ناں گاؤں والی زمین سے — نہر کے کنارے جو آپ

ہے وہی آپ کے ذہن میں آتا ہے ناں —"

"ہاں... ایک ایکڑ زمین کے گرد اگر کچی چار دیواری کر لی جائے اور شیشم کے دو درخت... تم جانتی ہو کہ شیشم بہت تیزی سے بڑھتا ہے.. اُچیاں لمیاں ٹاہلیاں... تو بس دو تین سال کے اندر وہ چھاؤں کر دیں گی..."

"جانے دیں بابا..."

"کیوں جانے دیں..."

"یہ آپ کی فینٹسی ہے.. پتہ ہے وہاں مچھر کتنا اور کس سائز کا ہوتا ہے... کھانا کون پکا کر دے گا... کپڑے کون دھوئے گا — اور..." شوبھا جو نہر کنارے دو شیشم کے درختوں تلے بان کی چارپائی تھیوری کو بہت سن چکی تھی اور تنگ آ چکی تھی ایک طویل بحث کرنے کے موڈ میں تھی... "اور رات کے وقت وہاں اندھیرا ہو گا — لالٹین کی روشنی میں دیکھنے کے لیے آج سے سو برس پہلے کی آنکھیں درکار ہیں ہمیں تو کچھ نظر نہیں آتا... قریبی بیلے میں آپ ہی نے بتایا تھا کہ گیدڑ اور سؤر بہت ہیں تو وہ رات کے وقت بولیں گے — بولیں گے کہ نہیں بولیں گے؟"

"بولیں گے —" بہت شرمندہ ہوتے ہوئے اُس نے کہا۔

"اور آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ آپ وہاں ایک بھینس بھی پالیں گے —"

"بھینس پالی نہیں رکھی جاتی ہے —"

"رکھی جانے سے بھی بھینس تو بھینس ہی رہتی ہے ناں — ادھر بہت کم دکھائی دیتی ہیں کراچی میں — لیکن جب کبھی کہیں نظر آ جائے تو میں تو بس پلٹ پڑتی ہوں۔"

"بھئی تم کیوں اتنی سنجیدہ ہوتی چلی جا رہی ہو اس دو شیشم کے درخت اور بان کی چارپائی تھیوری کے بارے میں؟... ایک تو میں ذرا اپنا دل پشوری کرتا ہوں تو تم بھی میرا دل رکھ لیا کرو — اور اس کا تم سے تعلق؟.. تم تو وہاں نہیں ہو گی بھینس اور مرغیوں کی رکھوالی پر — یہ سب منصوبہ بندی اُس لمحے کے بعد کی ہے جب تم ہیپی لی میرڈ ہو جاؤ گی..."

"اور جب میں ہیپی لی میرڈ ہو جاؤں گی تو میرا آپ کا تعلق واسطہ ختم ہو جائے گا میں اس کے بعد یعنی ہیپی لی میرڈ ہونے کے بعد کبھی آپ سے نہیں ملوں گی..."

"یہ کیا کہتی ہو —"

"اگر ملوں گی تو وہیں آؤں گی — نہر کے کنارے بیلے والی زمین کے قر
شیشم کے دو درخت اور بان کی چارپائی.... مرغیاں اور بھینس.... تو پھر میرا تعلق اس ج
سے ہوا یا نہیں؟"

"تم ضرورت سے زیادہ پریکٹیکل ہو شوبھا — ہر انسان موجودہ ہوا اور زما
پرے ہونا چاہتا ہے... وہ اپنی چاردیواری سے الگ ہو کر کسی اور سائے میں بیٹھنا تو چا
ناں.. وہ ایسا کیوں کرنا چاہتا ہے؟ شاید اُس میں فنا کی تمنا کا اخیر آ رہا ہوتا ہے... کبھی غو
جب کسی جانور میں، پرندے میں فنا کی ٹھنڈک وہاں تک سرایت کر جاتی ہے جہاں
واپس نہیں آ سکتی تو اُسے علم ہو جاتا ہے اور وہ ہمیشہ الگ ہو کر کسی تنہا اور پُرسکون
جا بیٹھتا ہے اور اُس کا وجود دُکھ سے بھاری ہو رہا ہوتا ہے — وہ آنکھیں نہیں ملاتا
ملاتا ہے تو صرف یہ کہتا ہے کہ جو میں دیکھ رہا ہوں تم نہیں دیکھتے، میں تم سے الگ
ہوں.. نہر کے کنارے، بیلے والی زمین کے قریب..."

وہ اُٹھی اور اُس کے جھکے ہوئے کندھوں پر اپنی بانہہ رکھ دی اور اُس کا ایک
دبایا تو مردان نے اُس کی طرف دیکھا "آپ کدھر چلے گئے ہو بابا... فنا کی ٹھنڈک
روزانہ میرا واسطہ پڑتا ہے، فارملین کی بُو میرے نتھنے پہچانتے ہیں... میں اس شیشم
درختوں والی تھیوری کے بارے میں زیادہ سیریس تو نہیں تھی۔ لیکن آپ کدھر چلے
میں موت کی ملاقات کو پہچانتی ہوں اور وہ آپ کے آس پاس سینکڑوں کلومیٹر تک
نہیں ہے، اگر ہوتی تو مجھے دکھائی دیتی —"

"وہ ہے —"

"نہیں.. ایک اور فینٹسی.."

مردان نے گردن گھما کر کندھوں پر رکھے شوبھا کے بازو کو دیکھا۔ کھڑکی
سرما کی ہلکی دھوپ جو آتی تھی تو اُس کی پیلاہٹ سے اُس کے چھوٹے چھوٹے
روشن ہوتے تھے "یہ ٹھنڈک مجھ میں نہیں ہوا میں ہے —"

وہ کھڑکی بند کرنے کے لیے اُٹھی۔

"نہیں۔ صرف اس کمرے میں ہی نہیں باہر بھی ہے — ایک ٹھنڈک
کا آغاز ہو چکا ہے اور یہ وہاں تک پہنچے گی جہاں سے واپسی ممکن نہیں ہوتی۔ گوشت
بار یخ ہو جائے تو زندگی کی حدت دوبارہ نہیں آ سکتی —"

"You are a pessimist Baba."

"نہیں میں pessimist ہرگز نہیں ہوں... میں تو خواہ مخواہ کا optimist ہوں..
ن میں کیا کروں کہ وہ ٹھنڈک میں نے محسوس کرلی ہے۔ میرا بدن مجھے بتاتا ہے کہ آغاز
چکا ہے — شیشم کے دو درخت اور بان کی چارپائی تھیوری صرف میرے لیے نہیں
... میں بھی دوسروں سے آنکھیں نہیں ملاتا۔ اگر ملاؤں گا تو وہ جان جائیں گے کہ جو
ں دیکھ رہا ہوں وہ نہیں دیکھتے..."

"آپا نازنین اور عارفین روزانہ فون کرتی تھیں —"

"ہیں..." مردان کو جھٹکا سا لگا۔ نازنین اور عارفین کے شہتیر دھڑام سے اُس پر آ
ے اور شوبھا ہمیشہ یہی کرتی تھی۔ جب بھی وہ قدرے بھٹک جاتا تھا تو اُسے واپس لانے
لیے شوبھا اسی طرح کرتی تھی.... وہ کہیں دور پہنچا ہوتا اور وہ کہتی اس مرتبہ بجلی کا بل
ت زیادہ آیا ہے ذرا میٹر تو چیک کریں — یا پھر — سبزی والا آج پھر سبزی کے ساتھ
نیہ اور ک دے کر نہیں گیا —

"وہ کہتی تھیں جس روز بابا لوئیں اُسی شام ہمارے ہاں آنا ہے — اور بابا یہ
نین تھیں یا عارفین میں ہمیشہ بھول جاتی ہوں —"

"اب تو میں خود بھی بھول جاتا ہوں —" مردان نے ہونٹوں کے کونوں میں آئی
ی نمی کو اُنگلی سے صاف کیا اور مسکرانے لگا "ایک اور بات جو میں بھول چکا تھا۔ لاہور
ں برف گر رہی تھی اور ساز بج رہے تھے جب میں نے بابا نذیر احمد کے فلاپی ہیٹ والے
کو ایک کینوس پر جھکے دیکھا اور وہ راوی کی ریت پر کھڑا کامران کی بارہ دری کو پینٹ کر
تھا..."

"لاہور میں برف گر رہی تھی؟"

"ہاں... وہاں کرسمس تھی صرف اسی لیے میرے لیے جس طرف میں دیکھتا تھا
گرتی تھی اور ساز بجتے تھے..." مردان اُٹھا اُس کا بدن اُس طور سیدھا نہ ہوا جیسے کہ وہ
لے زمانوں میں بے تکان اور ملائمت کے ساتھ سیدھا ہوتا تھا۔ اُس کے اندر کہیں کہیں
کاوٹ کی سخت گلٹیاں تھیں۔ دیوار کے ساتھ براؤن پیپر میں لپٹی پینٹنگ کسی کی نظر میں
آئی تھی۔ مردان نے کوشش کے ساتھ اپنے پاؤں کو گھسٹنے سے بچایا اور پینٹنگ تک
یا۔ جھکا اور اُسے اُٹھا کر براؤن پیپر سے الگ کر کے دیکھنے لگا... جیسے وہ ایک روشن آئینہ

دیکھتا ہو۔ اُس کا چہرہ تصویر میں جو کچھ دیکھتا تھا اُس سے دمکتا تھا۔ اُس نے مجھ
دیوار کے ساتھ لگا دی اور پیچھے ہٹ گیا — "یہ بھی تمہارے لیے ہے —"

پرانا ملیر کینٹ کب کا اُجڑ چکا تھا سوائے ایک کونے میں پڑی تین برطانو
بیرکوں کے جن میں گورا لوگ کبھی رہائش پذیر نہیں ہوئے تھے، یہ کسی سپلائی ب
گودام کا حصہ تھیں اور اسی لیے ان میں الگ الگ کمروں یا غسل خانوں کا کوئی
تھا۔ انہیں رہائش کے قابل بنانے کے لیے لکڑی اور ہارڈ بورڈ سے پارٹیشن کر لی
غسل خانے بعد میں تعمیر کیے گئے لیکن اتنے عارضی کہ دروازوں کی جگہ ابھی تک
کے تختے نصب تھے جو تیز اور نمکین ہوا کے زور سے سارا وقت چرچراتے تھے
بیٹھنے والے کو اِنہیں مضبوطی سے تھامے رکھنا پڑتا تھا۔ ان کی واحد خوبی ان کا ہو
تھا۔ ایک بیرک میں کسی نامعلوم فوجی افسر کا سامان عرصہ دراز سے دُھول جمع کر
نمی جذب کر رہا تھا۔ لکڑی کی درزوں میں سے ایک آنکھ صرف یہ دیکھ سکتی تھی
پرانے گرینڈ فادر کلاک ہیں اور وہ ظاہر ہے بند پڑے ہیں۔ فرش پر کلہوڑہ تما
خاندانوں کی قبروں کے شاندار تعویز اور بیل بوٹوں والے پتھروں کی کئی سلیں رکھی
میں کم از کم دو قبروں کے پتھر مکمل تھے۔ صرف اُن کے نیچے ہڈیاں نہیں تھیں
مکمل قبریں تھیں۔ یہ مکلی کے قبرستان کا ایک حصہ تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ ٹھٹھہ
دنیا کے اس سب سے بڑے قبرستان کی پشت پر صوبائی اسمبلی کے ایک ممبر کا فرو
تھا اور ممبر کی پجارو گاڑی کو ذرا اوپر سے ہو کر فارم تک جانا پڑتا تھا او
inconvenient تھا۔ ممبر چونکہ حکومتی اور عوامی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے
اُنہیں قطعی دِقّت نہیں ہوئی جب اُن کے بُل ڈوزر نے تقریباً تیس کے قریب
مقبروں کو بل ڈوز کر کے فارم تک کا راستہ ذرا Convenient کر لیا.... اگرچہ ان
اکثر مقبرے، ڈھلتی دھوپ کی زردی ایسے پتھروں سے مزین، جن پر بیل بوٹوں
سپاہی، گھوڑے اور دیگر جانور نقش ہیں، حکمرانوں کے تھے لیکن — مُردہ حکم
ہڈیوں سے زندہ حکمرانوں کی پجارو کے ٹائروں کی Convenience زیادہ اہم ہے
نامعلوم فوجی افسر کا گذر ادھر سے ہوا تو انہیں اپنے تاریخی ورثے کی تباہی پر بے حا
اور وہ ان پتھروں کو ایک ٹرک میں ڈال کر اس بیرک میں لے آئے۔ بعد میں

ریہ والوں نے ان پتھروں کو تحویل میں لینے سے انکار کر دیا کیونکہ اُن کے پاس انہیں
شور کرنے کے لیے جگہ نہ تھی اور یوں بھی ان نامعلوم فوجی افسر پر نوادرات کو چوری
رنے کا مقدمہ بن سکتا تھا۔ اپنے گھر وہ اس لیے نہ لے جا سکے کہ اُن کی بیگم پر قبروں کے
فر دیکھ کر غشی کا دورہ پڑ گیا تھا چنانچہ وہ یہیں تھے اس پرانی بیرک میں، دُھول اور نمی کے
اتھ اور گرینڈ فادر کلاکس کی خاموش رفاقت میں ——

دوسری بیرک بالکل خالی پڑی تھی۔ اگرچہ ادھر بہت کم بارش ہوتی تھی لیکن جب
ی ہوتی، ٹین کی چھت میں زنگ سے بنے ہوئے بڑے بڑے سوراخوں میں سے پانی
بشاروں کی صورت اندر آتا اور مہینوں تک اُس کے قریب سے گذرنے والوں کو ایسے
ہڑوں کی بو آتی جن میں پانی کیچڑ میں بدلنے سے مچھلیاں مر جاتی ہیں۔

ان بیرکوں کے آگے نئی چھاؤنی کا وسیع کامپلیکس تھا اور ان کے پیچھے —— ایک نیم
ٹرائی لینڈ سکیپ تھی جس کے آخر میں ایک طویل فاصلے پر کچھ عمارتیں ہوا میں جھلملاتی
ی نظر آتی تھیں... یہاں صرف وہ پہنچ سکتا تھا جس کو مجبوری ہو ورنہ کاغذ پر لکھے پتے کو
یکھتے ہوئے یہاں پہنچ جانا ممکن نہ تھا۔ اور یہاں کا پتا تھا بھی نہیں —— ملیر کینٹ کے آخر
ں واقع تین بیرکوں میں سے ایک بیرک، تو کوئی پتا نہ تھا۔ یہاں تک صرف ایک کچا راستہ
تا تھا۔ اور اُس پر شوبھا کی پرانی فوکسی آتی تھی بلکہ کبھی آتی تھی اور کبھی کھڑی ہو جاتی
ا اور پھر مردان اُس کی بیٹری کی تاریں جوڑ کر اُسے سٹارٹ کر کے لے آتا تھا۔ اور کبھی
دان کی سپورٹس سائیکل آتی تھی —— بیٹ مین بشیر بھی ایک مدت سے اسی راستے پر آتا
تا تھا۔

کراچی کے نویں نکور قائداعظم انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر اُترنے والے جیٹ اس
بن کے عین اوپر آ کر اپنے ٹائر پنجوں کی طرح نکالنے لگتے تھے۔

اُترتے جیٹ کے انجن کی گونج سے کیبن کے تختے لرزنے لگتے... دیوار کے تختوں
ے ساتھ لگی تصویر بھی لرزی اور اُس پر پینٹ کی ہوئی لینڈ سکیپ میں جیسے زندگی سانس
نے لگی... پانی بہتا ہوا محسوس ہوا۔

مردان پیچھے ہٹ کر کھڑا تھا —— ہاں، یہ بھی تمہارے لیے ہے۔

آبی رنگوں میں راوی کے پانیوں کی پینٹنگ تھی۔ دسمبر کا گدلا آسمان اور بجھی
ی سرد دھوپ۔ کامران کی بارہ دری کے حفاظتی پشتے کے ساتھ لگ کر بہتا ہوا راوی۔

پُشتے پر وہ نشان بھی نظر آتے تھے جہاں تک گرمیوں میں پانی بلند ہوتا تھا۔ ان دنوں بہت نیچی ہو جاتی تھی۔ کچھ حصوں میں کشتیوں کے تلے ریت میں دھنس جاتے تھے۔ نذیر پانی کو کچھ اس طرح مصور کرتا تھا کہ کاغذ گیلا ہوتا محسوس ہوتا تھا۔ اُس کے مداحو کہتا تھا کہ وہ کینوس پر سٹروک لگانے کے بعد پانی کو کہتا تھا کہ تو پانی ہو جا اور اس میں ہوا آ جاتی تھی۔ وہ بہنے لگتا تھا۔ شوبھا کو پانی کی تصویریں پسند تھیں اور ایک عرصے سے وہ نذیر کی کوئی پینٹنگ own کرنا چاہتی تھی.... اُس نے تصویر کو بہت دیر تک دیکھا اور پ مردان کی طرف نگاہ کی اور سر کو ذرا سا ہلایا۔

"تھینک یو بابا —"

مردان وہیں کھڑا رہا —

چار چیزیں ہیں جو ہر دسمبر میں مجھے بلاتی ہیں — اُن میں سے ایک شکار ہے، قادر آباد کے آس پاس — اور وادی سوات کا ایک سلیٹی منظر ہے — اور کامران کی بار دری سے لگ کر بہتا ہوا دریائے راوی ہے — اور...

اور کیا واقعی چار مرغابیوں کا خوشی سے کوئی تعلق نہیں؟

ڈیفنس کے اُس مینشن نما گھر کے پورچ میں جسے باہر کی دیوار کے ساتھ سرسبز کٹاؤ والے پتوں کے ناریل درختوں کی وجہ سے ناریل والا گھر کہا جاتا تھا قدیم ماڈلز کی لیکن تقریباً شو روم کنڈیشن کی دو کاریں آگے پیچھے اینٹوں کے چبوتروں پر ایک عرصے سے Rest in peace کر رہی تھیں۔ ہر دوپہر بڑی باقاعدگی سے پورے چار بجے ایک ناتواں سا شخص صابن، پالش اور سفید ٹاکیاں اُٹھائے چپکے سے گیٹ کھول کر اندر آتا، لان کے نل پر ربڑ پائپ فٹ کر کے اِن کاروں کو دھوتا، پالش کر کے خوب چمکاتا، خشک کرتا اور پورے چھ بجے گیلی ٹاکیاں ایک پلاسٹک بیگ میں ڈال کر گیٹ کھولتا اور چلا جاتا — وہ پچھلے انیس برس سے اس روٹین پر عمل پیرا تھا۔ ایک بار وہ سوا پانچ بجے پہنچا تھا کیونکہ اُس کی بیوی کا جنازہ چار بجے اُٹھنا تھا اور بار بار گھڑی دیکھنے کے باوجود اُسے پورے پانچ بجے سے پہلے دفنایا نہیں جا سکا تھا — رمضان شریف میں اگر افطار کا وقت اس روٹین کے درمیان میں آ جاتا تو وہ روزہ بھی یہیں کھول کر گھر لوٹتا — ان دو کاروں کے ماڈل بھی انیس برس پیشتر کے تھے... اتنے ہی برس جتنے برس سے اس گھر کے مکین دوسروں سے لاتعلق ہوئے تھے۔

مردان نے ہینڈل گھمایا تو دروازہ کھلا تھا۔ وہ فون کر چکا تھا کہ وہ اور شوبھا پورے ساڑھے چھ بجے آئیں گے — اسی لیے دروازہ کھلا تھا۔ گیٹ پر یا صدر دروازے پر کوئی کال بیل نہ تھی کیونکہ کال کرنے والا کوئی نہ تھا۔ چند ایک جو آتے تھے فون کر کے وقت بتا دیتے تھے اور اُس وقت سے دو منٹ پیشتر دروازہ کھول دیا جاتا تھا۔

پہلی منزل کے مرکزی دروازے سے مکمل قوسوں کی شکل میں زینے نیچے ہال تک آتے تھے۔ دوہرے پردے کھنچے ہوئے تھے اور صرف دو صوفوں پر سے سفید کَور اُٹھا کر اُن پر بیٹھنے کی گویا اجازت دی گئی تھی۔ بلند چھت سے بظاہر ایک کمزور سی زنجیر سے لٹکتا فانوس روشن تھا لیکن اُس میں صرف چار بلب تھے، باقی بلب بجلی بچانے کی غرض سے اُتار کر ڈبوں میں محفوظ کر لیے گئے تھے۔ شوبھا سنبھل سنبھل کر چلتی ہوئی ایک کھڑکی تک گئی اور پردہ